تنظیمِ اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب نمبر 2

درس - 3

اقامتِ دین کا حاصل:
قیامِ عدل

انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی

درس ۳

اقامتِ دین کا حاصل......قیامِ عدل

انجینئر نوید احمد☆

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾﴾ (الحديد)
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ
اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾﴾ (النساء)
﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾﴾ المآئدة

☆اکیڈمک ڈائریکٹر، قرآن اکیڈمی کراچی

☆تمہیدی نکات

(۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ سوم سورۃ الحدید کی آیت ۲۵، سورۃ النساء کی آیات ۱۳۵ تا ۱۳۸ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(۲) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ اوّل اُن مقاماتِ قرآنی پر مشتمل تھا جن میں ہمارے دینی فرائض کا ایک جامع تصور پیش کیا گیا ہے۔ پھر درسِ دوم میں اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کے فرض ہونے کا ذکر بڑے تاکیدی اسلوب میں ہمارے سامنے آیا۔ اب اِس سلسلہ کے درسِ سوم میں اقامتِ دین کی جدوجہد کا مقصد اور اِس جدوجہد کا وہ حاصل واضح کیا جائے گا جو نوعِ انسانی کے لیے رحمت وتسکین کا باعث ہوتا ہے۔

(۳) اقامتِ دین کے سلسلے میں عام طور پر ایک مغالطہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ کسی معاشرے میں اللہ کا دین غالب ہونے کے بعد کیا تبدیلی واقع ہوگی تو عموماً یہ جواب سامنے آتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، بدکار کو سنگسار کیا جائے گا اور قتل کا بدلہ قتل ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ شریعتِ اسلامی میں مذکورہ بالا جرائم کے لیے یہ سخت سزائیں رکھی گئی ہیں تاکہ معاشرے کو ان جرائم سے پاک کیا جائے، لیکن اسلامی نظام میں سزاؤں کی حیثیت ثانوی درجہ کی ہے۔ اقامتِ دین کا اصل حاصل ایک ایسے عادلانہ اور پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے جس کے تحت جرائم کا سرزد ہونا ہی مشکل ہوجاتا ہے۔ اسلامی نظام میں تعلیم وتربیت اور وعظ وتبلیغ کے ذریعے افراد کی اِس حد تک اصلاح کردی جاتی ہے کہ وہ ہر طرح کے جرم سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ رائے عامہ کو جرائم کے خلاف اِس حد تک تیار کردیا جاتا ہے کہ معاشرے کا اجتماعی ضمیر جرائم کو برداشت نہیں کرتا اور اِن کے مرتکب سے نفرت کرتا ہے۔ معاشرے میں کفالتِ عامہ کا ایسا بندوبست کردیا جاتا ہے اور افراد کی ضروریات کی فراہمی اِس حد تک کردی جاتی ہے کہ جرائم کے ارتکاب کا امکان ہی نہیں رہتا۔ اِس کے ساتھ ساتھ ایسے تمام اسباب کا قلع قمع بھی کردیا جاتا ہے جو جرائم کی تحریک پیدا کرنے اور ان کی ترغیب وتحریص دلانے والے ہوں۔ گویا معاشرتی زندگی میں ایسی رکاوٹیں پیدا کردی جاتی ہیں کہ اگر کوئی شخص جرائم کا ارتکاب کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔ اِس سب کے بعد اگر پھر بھی کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تب اُسے سخت سزا دی جاتی ہے۔ اسلامی نظام کا مطلب محض سزاؤں کا نفاذ سمجھنا اور اِس نظام کی اصل شان یعنی عادلانہ اور پاکیزہ معاشرہ کے قیام کی طرف توجہ نہ کرنا، بہت بڑا مغالطہ ہے۔ یہ مغالطہ اُن لوگوں کے

ذہنوں میں بھی پایا جاتا ہے جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اپنی سی کسی کوشش میں سرگرم ہیں۔

آیات پر غور وفکر

سورۃ الحدید‘ آیت ۲۵

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ’’بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ‘‘ ......﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ’’اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو (نظامِ عدل)‘‘ ......﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ ’’تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں‘‘ ...... ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ ’’اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صفت (یعنی جنگی قوت) ہے‘‘ ......﴿وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ’’اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں‘‘ ......﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ ’’تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون ہے جو غیب میں رہتے ہوئے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے‘‘ ......﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾﴾ ’’بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے‘‘۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا :

☆ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾

’’بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو‘‘

آیت کے اِس حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے رسولوں کو تین چیزیں عطا فرمائیں:

(i) بَيِّنَاتِ یعنی واضح نشانیاں: یہ دراصل ایک رسول کو اس کی رسالت کے ثبوت کے طور پر عطا کی جاتی تھیں۔ یہ نشانیاں اکثر اُن معجزات کی صورت میں آئیں جو لوگوں کو حیران اور اُن کی عقل کو عاجز کر دیتے تھے اور اُن کا غیر معمولی ہونا لوگوں کے لیے رسولوں کے برحق ہونے کا ثبوت بن جاتا تھا۔

(ii) کتابیں : یہ وحی کی صورت میں ہدایتِ ربانی پر مشتمل ہوتی تھیں‘ جن میں ایمانی حقائق ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ بیان کیے جاتے تھے جو لوگوں پر اتمامِ حجت کے لیے کافی تھے۔ نیز اِن کتابوں میں اللہ کو مطلوب اعمال بھی واضح کر دیے جاتے تھے۔ کتاب کا معاملہ نبی اکرم ﷺ کے لیے ایک امتیازی شان اختیار کر گیا۔ آپ ﷺ کو حسی معجزات بھی عطا کیے گئے‘ لیکن آپ ﷺ کی رسالت کی اصل نشانی آپ ﷺ کو عطا کی گئی کتاب ’’قرآنِ مجید‘‘ ہے۔ اِسی کے حوالے سے چیلنج دیا گیا کہ اگر کسی کو شک ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہے تو اِس جیسا کلام پیش کر کے دکھائے۔

سورۃ البینۃ میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ حکیم اور اللہ کے رسول ﷺ کا مثالی عملی نمونہ باہم مل کر ’’بینۃ‘‘ یعنی واضح دلیل بنتے ہیں :

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾﴾

’’نہ تھے جدا ہونے والے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب اور مشرکین میں سے یہاں تک کہ آئی اُن کے پاس ایک واضح دلیل۔ یہ رسول ﷺ ہیں اللہ کی طرف سے جو تلاوت فرماتے ہیں پاکیزہ صحیفے۔‘‘

(iii) المیزان: میزان اسم الآلہ ہے یعنی وزن کرنے والی شے۔ میزان مختلف ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی میزان سنار کے پاس ہوتی ہے جس میں تولے اور ماشے کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے اور ایک میزان لوہے کے کسی اسٹور پر ہوتی ہے جس میں پورے کے پورے ٹرالے اور ٹرک تولے جاتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ جو میزان لے کر آئے وہ ہے میزانِ عدل‘ جس میں انسانوں کے حقوق تولے جاتے ہیں کہ کس کا کیا حق ہے اور اُس کے ذمہ دوسرے کا کیا حق ہے!

اِس حوالے سے ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر عدل کے ساتھ انصاف کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ انصاف کے معنی ہیں نصف نصف کر دینا‘ جبکہ عدل ہے حق دار کو اُس کا حق پہنچانا۔ اگر کسی معاملہ میں دو فریق برابر کے حصہ دار تھے تو اُن کے درمیان انصاف‘ عدل کی صورت اختیار کر لے گا۔ اِس کے برعکس صورت میں انصاف کرنا عدل کے خلاف ہوگا۔ انبیاء کی تعلیمات کا اصل حاصل ہے عدل۔ انبیاء کو عطا کیے گئے میزان سے مراد وہ قوانین و ضوابط ہیں جن میں عدل پایا جائے۔ اِن قوانین وضوابط میں ہر ایک کے حقوق واختیارات کا تعین عدل کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیاسی سطح پر فرد اور اجتماعیت کے درمیان عدل‘ معاشی سطح پر سرمایہ اور محنت کے درمیان عدل‘ جبکہ سماجی سطح پر مرد وعورت اور انسانوں کے تمام رشتوں کے درمیان عدل‘ جیسے والدین کے حقوق‘ اولاد کے حقوق‘ بہن کے حقوق‘ بھائی کے حقوق وغیرہ وغیرہ۔

آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا :

☆ ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج﴾
''تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں۔''

◆ یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد قیامِ عدل بتایا ہے۔ آیت کا یہ حصہ رہنمائی دے رہا ہے کہ اِس دنیا میں اعلیٰ ترین مشن کیا ہوسکتا ہے! دنیا میں بھلائی کے کام کئی نوعیت کے ہوسکتے ہیں' مثلاً خدمتِ خلق' اصلاحِ معاشرہ' اصلاحِ رسومات' اصلاحِ عقائد' تعلیمی وتدریسی خدمت اور تزکیۂ نفس کا کام۔ بلاشبہ اللہ کے رسولوں نے مذکورہ بالا خیر کے کام بھی کیے' لیکن اُن کا اصل مشن دنیا میں عدل کا قیام تھا۔ گویا عدل کا قیام ہی دنیا میں کسی انسان کے لیے اعلیٰ ترین مشن ہوسکتا ہے۔

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کتاب صرف اِس لیے نازل نہیں فرماتا کہ اُس کی تلاوت کے ذریعہ حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کرلیا جائے' بلکہ مقصود یہ ہے کہ کتاب کی تعلیمات پر مبنی عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔ شریعت کی میزان اللہ نے اِس لیے عطا فرمائی کہ اُسے نصب کیا جائے۔ بہترین نظامِ عدل وقسط اگر کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو بے معنی ہے جب تک کہ وہ بالفعل نافذ نہ ہو۔ آج ہمارے دین دار طبقہ کی اکثریت نے اپنی دینی مساعی کو محض چند عبادات یا زیادہ سے زیادہ وعظ ونصیحت' درس وتدریس یا تربیت وتزکیہ تک محدود کرلیا ہے۔ نبیوں والا کام یہ ہے کہ مزید آگے بڑھ کر معاشرے میں ہونے والے ظلم و استحصال کے خلاف لوگوں کے جذبات مشتعل کریں۔ اُنہیں اس ظالمانہ نظام کے خلاف منظم جدوجہد کے لیے متحرک کریں اور ایک عادلانہ نظام کے قیام کے لیے تن من دھن لگانے پر آمادہ کریں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)) فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهُ اِذَا كَانَ مَظْلُوْمًا' اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ اَنْصُرُهُ؟ قَالَ: ((تَحْجُزُهُ اَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ' فَاِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ)) (متفق علیہ)

''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم''۔ اِس پر ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اُس کی مدد کروں گا اگر وہ مظلوم ہے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ اُس کی مدد میں کیسے کروں اگر وہ ظالم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُس کا ہاتھ پکڑلو یا اُسے ظلم کرنے سے روک دو' پس یہی اُس کی مدد کرنا ہے''۔

◆ عادلانہ نظام کے نفاذ کی افادیت دو اعتبارات سے ہے :

(i) اِس دنیا میں عادلانہ نظام کا قیام اعلیٰ ترین خدمتِ خلق ہے۔ ظالمانہ نظام مسلسل مظلوم پیدا کرتا رہتا ہے اور اِس کے تحت سماجی خدمت کے کاموں سے محض چند مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے۔ پائیدار خدمتِ خلق یہ ہے کہ مظلوم پیدا کرنے والے نظام ہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔

(ii) عادلانہ نظام کا قیام دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے انسانوں کے لیے رحمت ہے۔ دنیا میں سکون محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ہمارا استحصال نہیں کررہا اور ہمارے حقوق ہمیں حاصل ہو رہے ہیں۔ اِس پُرسکون ماحول ہی میں انسان آخرت کی تیاری کے لیے اپنے مقصدِ زندگی یعنی اللہ کی عبادت کے لیے بھی یکسو ہوسکتا ہے۔ اِس کے برعکس ظالمانہ نظام خالق ومخلوق کے درمیان سب سے بڑا پردہ بن جاتا ہے اور آخرت کی تیاری کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اِس نظام میں انسانوں کی ایک عظیم اکثریت حیوانوں کی سطح پر آجاتی ہے۔ اُن کی زندگی کا صرف ایک مقصد رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح اپنے لیے دو وقت کی روٹی اور ضروریاتِ زندگی کا سامان پورا کرسکیں۔ اب اُن کے لیے کہاں اِس کا موقع ہے کہ وہ دینی تقاضے ادا کریں' اللہ سے لو لگا کر لذتِ مناجات اور حلاوتِ دعا کی سعادت حاصل کرکے آخرت کی تیاری کرسکیں۔ دوسری طرف دولتمند طبقہ مال ووسائل کی فراوانی میں مست ہوکر اللہ کو بھی بھول جاتا ہے اور اُس کے احکامات کو بھی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے بقول' دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ایک دودھاری تلوار کی طرح انسانوں کا استحصال کرتی ہے۔ اِس سے انسانوں کی دنیا وآخرت دونوں ہی برباد ہوجاتی ہیں۔ سرمایہ داروں کا طبقہ مالِ حرام پر عیش تو کرتا ہے لیکن روحانی سکون سے محروم ہوکر یادِ خدا اور فکرِ آخرت سے غافل رہتا ہے۔ پھر ایک حدیث نبوی ﷺ کے مطابق حرام کمائی سے پلنے والا جسم جہنم ہی میں جانے کا حق دار ہے (مسند احمد)۔ دوسری طرف غریب کو ضروریاتِ زندگی کی فکر نہ صرف ہر وقت ستائے رکھتی ہے بلکہ آخرت کی تیاری سے بھی بیگانہ رکھتی ہے' اور ممکن ہے کہ معاملہ کفر تک پہنچ جائے' کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ((اِنَّ الْفَقْرَ يَكَادُ يَكُوْنُ كُفْرًا))
''بے شک قریب ہے کہ فقر' کفر تک پہنچ جائے''۔ (الجامع الصغیر)

لہٰذا ضروری ہے کہ وہ نظامِ عدل وقسط قائم کیا جائے جس میں ہر ایک کو اُس کا جائز حق ملے' کوئی کسی دوسرے کے حق پر دست درازی نہ کرسکے' وسائل اور دولت کی تقسیم منصفانہ ہو' مواقع سب کے لیے یکساں ہوں' تمیزِ بندہ وآقا ختم ہوجائے' کوئی کسی کے تحت دبا اور کچلا ہوا

نہ ہو‘ اور سب انسان واقعی آپس میں بھائی بھائی اور اللہ کے بندے بن جائیں۔

☆ ﴿وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

’’اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے جس میں شدید جنگ کی صفت (یعنی جنگی قوت) ہے اور لوگوں کے لیے دیگر فائدے بھی ہیں‘‘

◆ یہ آیت کا وہ حصہ ہے جس میں انقلابی مضمون اپنے عروج پر ہے۔ انقلاب کسی معاشرے میں رائج نظام کی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اِس کے لیے رائج الوقت نظام کو پہلے تلپٹ کرنا پڑتا ہے اور پھر اُس کی جگہ نیا نظام آتا ہے۔ انقلاب لانے کے لیے پہلے وعظ‘ نصیحت‘ تلقین اور تبلیغ کی جاتی ہے لیکن اِس کے بعد ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں طاقت بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ تلقین وتعلیم‘ وعظ ونصیحت اور دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں تمام طبقات سے نیک سرشت لوگ دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ البتہ وہ لوگ انقلابی دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں جن کے مفادات رائج الوقت نظام کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مخالفت کریں گے اور پھر اُن کے خلاف طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ یہ بات کہنا آسان نہیں ہے۔ جنگ اور خون ریزی کو پسند نہیں کیا جاتا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بات اور صرف دعوت وتبلیغ کے بیان ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آیت کے اِس حصہ میں اِس تلخ حقیقت کو بالکل کھلے انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

◆ یہاں لوہے کی افادیت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ بلاشبہ لوہا مفید اشیاء مثلاً کئی قسم کے آلات‘ ذرائع آمد ورفت‘ برتن‘ فرنیچر اور دیگر ضروریاتِ زندگی بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے‘ لیکن اِس کی اصل خوبی یہ ہے کہ اِس میں اللہ نے شدید قوتِ حرب وضرب رکھی ہے۔ لوہے کا استعمال اسلحہ ودیگر عسکری ساز وسامان کی تیاری میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ پرانے زمانے کے ہتھیاروں یعنی تیر‘ نیزے اور تلواروں سے لے کر موجودہ دور کے بم‘ میزائل‘ بندوقیں‘ توپیں‘ ٹینک‘ گولے وغیرہ لوہے ہی سے بنتے ہیں۔ اِس آیت میں لوہے کے ذکر کی اہمیت کا مظہر یہ ہے کہ پوری سورۃ کا نام ہی ’’الحدید‘‘ ہے۔

◆ اِس جگہ دراصل اِس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نظامِ عدل کا قیام پُرامن طریقۂ کار سے ممکن نہیں‘ اِس کے لیے تصادم ناگزیر ہے اور لوہے کی عسکری خوبی کو بروئے کار لاتے ہوئے طاقت کا استعمال لازماً کرنا پڑے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ظالمانہ اور استحصالی نظام از خود جڑیں نہیں چھوڑا کرتا۔ اِس نظام سے بااختیار طبقہ کے کچھ مفادات اور چودھراہٹیں وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ طبقہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے عیاشی کر رہا ہوتا ہے اور آسانی سے اپنے مفادات سے دستبردار نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی تحریک اِس کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے اُٹھتی ہے تو یہ طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اِس تحریک کو کچلنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا ہے اور یوں مسلح تصادم کا مرحلہ آ کر رہتا ہے۔

◆ مسلح تصادم کی نوبت انقلابی عمل کے دوران آخری مرحلہ کے طور پر آتی ہے۔ پہلے دعوت دی جاتی ہے اور بات سمجھانے کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ اِس دوران مخالفت کے جواب میں کسی ردعمل کا مظاہرہ نہ کر کے یعنی Passive resistance کے ذریعہ مخالفین پر ایک اخلاقی اثر بھی ڈالا جاتا ہے۔ اب جن لوگوں کے دل میں واقعی خیر ہوتا ہے وہ وعظ ونصیحت اور انقلابی جماعت کے اخلاقی طرزِ عمل سے متأثر ہو کر اِس کی دعوت قبول کر لیتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ابوجہل کی طرح لاتوں کے بھوت ہوتے ہیں‘ اُن کے ساتھ مسلح تصادم کا مرحلہ آتا ہے اور لوہے کی طاقت استعمال کی جاتی ہے تاکہ قیامِ عدل کا مشن پورا کیا جا سکے۔

◆ اگر صرف افراد کی اصلاح اور اُن کا تزکیۂ نفس مطلوب ہو تو پھر درس گاہیں اور خانقاہیں بنا کر بھی یہ مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔ مخالفت اِس کام میں بھی ہو سکتی ہے لیکن اِسے جھیل کر کام جاری رکھا جا سکتا ہے اور کسی خون ریزی کی نوبت نہیں آتی۔ البتہ اگر پیشِ نظر وہ کام ہے جس کے لیے اللہ نے رسولوں کو بھیجا‘ یعنی ظالمانہ نظام کو ملیامیٹ کر کے عادلانہ نظام قائم کرنا ہو تو پھر میدان میں آنا پڑے گا‘ باطل سے پنجہ آزمائی کرنی پڑے گی اور جان کی بازیاں لگانی پڑیں گی۔ نظام کی تبدیلی مسلح تصادم کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے محبوب بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے خاص طور پر اُن کی اللہ کی راہ میں لڑنے کی شان کو نمایاں کیا :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾﴾ (الصّف)

’’بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں جم کر صف در صف گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔‘‘

﴿وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ (آلِ عمران)

’’اور کتنے ہی نبیؐ ایسے گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے

جنگ کی، تو اُنہوں نے ہمت نہ ہاری اُن تکالیف پر جو اُنہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ باطل کے سامنے دبے، اور اللہ ایسے ہی صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾﴾ (الاحزاب)

''مومنوں میں وہ جواں مرد بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا وہ عہد جو اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا، تو اُن میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر (جان) پیش کر چکے اور کچھ ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں، اور اُنہوں نے (اپنے عہد کی بات کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۱۱۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے عوض۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کیے جاتے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا :

((مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ)) (مسلم)

''جس کی موت اِس حال میں واقع ہوئی کہ نہ اُس نے کبھی (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ ہی اُس کے دل میں اِس کی آرزو پیدا ہوئی تو اُس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی۔''

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

◆ آیت کے اِس حصہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ نظام کی تبدیلی کسی پُر امن طریقۂ کار سے ممکن نہیں۔ ایک رائے یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم محض تبلیغ کے ذریعہ ہی خاموش انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی تصور ہے کہ انتخابی سیاست میں حصہ لے کر بھی انقلاب لایا جا سکتا ہے۔ تجربات شاہد ہیں کہ استحصال اور جبر کرنے والے طبقات کبھی بھی پُر امن طور پر اپنے مفادات چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے۔ بقول شاعر :

زورِ بازو آزما، شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے!

تاریخِ انسانی میں آج تک کوئی انقلاب بغیر مسلح تصادم کے نہیں آیا۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو رحمۃ للعالمین جنابِ نبی کریم ﷺ تلوار تو کجا ایک چھڑی تک اپنے ہاتھ میں نہ لیتے اور صرف اپنی مؤثر تبلیغ کے ذریعہ ہی حق کو غالب فرما دیتے، لیکن آپ ﷺ کو بھی آخر کار غلبۂ دین کے لیے تلوار اٹھانا پڑی اور اپنے اُن محبوب ساتھیوںؓ کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا جن کی تربیت اور تزکیہ آپ ﷺ نے بڑی عرق ریزی سے کیا تھا۔

◆ آیت کا یہ حصہ اُس مغالطہ کا بھی ازالہ کرتا ہے جو مستشرقین کو نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے محسوس ہوتا ہے۔ اُنہیں آپ ﷺ کی مکی زندگی تو نبوی نظر آتی ہے لیکن مدنی زندگی میں آپ ﷺ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر وہ انتشارِ ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سن ۶ ہجری میں بظاہر دب کر صلح حدیبیہ کرتے ہوئے وہ آپ ﷺ کو نبوی رنگ میں دیکھتے ہیں، لیکن سن ۸ ہجری میں ابوسفیان کی عاجزانہ درخواست کے باوجود آپ ﷺ کی طرف سے صلح کی تجدید نہ کرنا اُنہیں سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد نہ صلح کرنا تھا اور نہ ہی جنگ۔ آپ ﷺ کا مقصد تھا عادلانہ نظام کا قیام۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے جس وقت جو طرزِ عمل مفید تھا آپ ﷺ نے اُسی کو اختیار فرمایا۔ اِس مقصد کے لیے ابتدا میں دعوت و تبلیغ کا عمل ہوتا ہے اور برائی کا جواب اچھائی سے دیا جاتا ہے :

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''جواب دو (بدی کا) اُس طور پر جو بہت اچھا ہو، تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست۔''

البتہ جو لوگ تبلیغ کے ذریعہ حق قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور ظلم کا بازار گرم رکھنا چاہتے ہیں، تو پھر اُن کی برائی کا جواب ویسی ہی برائی سے دیا جاتا ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

''اور بُرائی کا بدلا تو اُسی طرح کی بُرائی ہے۔''

یہ ہے وہ توازن جو صرف دینِ اسلام کی امتیازی شان ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اصلاحِ حال کے لیے نرمی بھی ہے اور سختی بھی، عفو و درگزر بھی ہے اور قصاص بھی، تبشیر بھی ہے اور انذار بھی۔ البتہ دورِ حاضر میں مسلح تصادم کے حوالے سے کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ دورِ حاضر میں انقلابی عمل کیا ہوگا؟ ان شاء اللہ اِس سوال کا جواب ہم درسِ چہارم میں سمجھیں گے۔

☆ ﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ؕ﴾
’’تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔‘‘

◆ آیت کے اِس حصہ میں لِیَعْلَمَ کا لفظی ترجمہ ہوگا ’’تاکہ اللہ جان لے‘‘۔ لیکن چونکہ اللہ کا علم ہر اعتبار سے کامل اور ماضی‘ حال‘ مستقبل پر حاوی ہے‘ اُسے ہر بات کا پہلے ہی سے علم ہے لہٰذا مناسب ترجمہ ہوگا ’’تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون اللہ اور اُس کے رسولﷺ کی مدد کرتا ہے غیب میں رہتے ہوئے‘‘۔ اللہ اور اُس کے رسولﷺ کی مدد سے مراد ہے اللہ کے دین کی مدد۔ دین اللہ کا ہے اور اُسے غالب کرنا مشن تھا اللہ کے رسولﷺ کا۔ لہٰذا جو دین کے غلبہ کی جدوجہد کر رہا ہے وہ درحقیقت اللہ اور اُس کے رسولﷺ کی مدد کر رہا ہے۔ یہ بات سورۃ الصّف کی آخری آیت میں اِس طرح بیان کی گئی:

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ﴾
’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار‘ جیسا کہ پکارا تھا مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کے لیے؟ ساتھیوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!‘‘

◆ نصرتِ رسولﷺ کے حوالے سے نبی اکرمﷺ کا ایک بڑا پیارا اور خاص طور پر ہمارے لیے انتہائی امید افزا ارشاد ہے جو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں مسند ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے :

((یَا لَیْتَنِیْ قَدْ لَقِیْتُ اِخْوَانِیْ!)) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَسْنَا اِخْوَانَکَ وَ اَصْحَابَکَ؟ قَالَ: ((بَلٰی‘ وَلٰکِنَّ قَوْمًا یَجِیْئُوْنَ مِنْ بَعْدِکُمْ‘ یُؤْمِنُوْنَ بِیْ اِیْمَانَکُمْ‘ وَیُصَدِّقُوْنِیْ تَصْدِیْقَکُمْ‘ وَیَنْصُرُوْنِیْ نَصْرَکُمْ‘ فَیَا لَیْتَنِیْ قَدْ لَقِیْتُ اِخْوَانِیْ!))
’’اے کاش میں ملتا اپنے بھائیوں سے!‘‘ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولﷺ کیا ہم آپؐ کے بھائی اور ساتھی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ’’کیوں نہیں! لیکن یہ وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے‘ مجھ پر ایسے ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو اور میری اُسی طرح تصدیق کریں گے جیسے تم نے کی ہے اور اُسی طرح میری مدد کریں گے جیسے تم نے کی ہے‘ تو اے کاش میں ملتا اپنے بھائیوں سے۔‘‘

◆ آیت کے اِس حصہ میں اہلِ ایمان کو بہت بڑا اعزاز دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد کریں گے تو اللہ اور اُس کے رسولﷺ کے مددگار قرار پائیں گے۔ کہاں اللہ اور کہاں انسان! پھر کیا مقام و مرتبہ ہے اللہ کے رسولﷺ کا اور کیا اوقات ہے ایک عام انسان کی۔ اللہ جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن ہمارے امتحان کے لیے اُس نے دین کی سربلندی کے لیے کوشش کا ہمیں حکم دیا ہے۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اُس کے نازل کردہ نظامِ عدل وقسط کو نافذ کرنے کے لیے اور اُس کی نازل کردہ میزان کو نصب کرنے کے لیے اپنا مال نذر کرتا ہے اور اپنی جان کی بازی لگاتا ہے۔ اب جو کوئی ایسا کرے گا‘ وہ اللہ اور اُس کے رسولﷺ کا مددگار قرار پائے گا۔ سچے اہل ایمان نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ عالم واقعہ میں جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد بھی کرتے ہیں :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ (الحجرات)
’’مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے‘ پھر شک میں نہ پڑے اور اُنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔‘‘

مال و جان سے جہاد کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کی قدر افزائی کی جاتی ہے اور اللہ اُنہیں اپنا اور اپنے رسولﷺ کا مددگار قرار دیتا ہے۔ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر اور کوئی اونچا مقام نہیں ہو سکتا۔ خوش نصیب ہیں وہ بندے جو اللہ کے وفادار ہیں‘ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے سچی محبت کرنے والے ہیں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تن من دھن سے جہاد کرتے ہوئے اپنے لیے سعادتیں سمیٹ رہے ہیں۔ یہ سعادتیں بدرجہ اُتم صحابہ کرامؓ کے حصہ میں آئیں کہ اُنہوں نے پہلے اندرونِ ملکِ عرب غلبہ دین کے لیے اللہ کے رسولﷺ کی نصرت کی اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے ایک بڑے حصہ تک اِس عادلانہ نظام کی توسیع کا کارنامہ انجام دیا۔ اِس حوالہ سے فاتحِ ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے وہ الفاظ تاریخی ہیں جو اُنہوں نے ایران پر حملہ کا مقصد بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمائے تھے کہ :

اِنَّا قَدْ اَرْسَلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجِهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْکِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

’’بلاشبہ ہمیں بھیجا گیا ہے تا کہ ہم نکالیں لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے ایمان کے نور کی طرف‘ اور بادشاہوں کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے دین کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور اسی خدمتِ دین کی راہ میں موت عطا فرمائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَّاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ)) (مسلم)

’’جس نے سچی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی‘ اللہ تعالیٰ اُس کو شہداء کے مقامات میں پہنچا دیں گے‘ خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔‘‘

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اَنْ نُّجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِكَ بِاَمْوَالِنَا وَاَنْفُسِنَا وَارْزُقْنَا شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ – آمین

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾﴾

’’بے شک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔‘‘

آیت کے اِس آخری حصہ کے ذریعہ اِس مغالطہ کی نفی کی گئی کہ اللہ عاجز و لاچار ہے اور بندوں سے مدد مانگ رہا ہے۔ دین کی سربلندی کی خاطر کوشش کرنے کا تقاضا اللہ کی طرف سے صرف اِس لیے ہے تا کہ ہم اِس کے ذریعہ اپنے ایمان کی سچائی کا ثبوت فراہم کر دیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ بہت قوت والا اور زبردست ہے۔ اُس کی حکومت اپنے بل پر قائم ہے اور اُس کا اختیار پوری کائنات پر محیط ہے۔ اُسے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک حکم سے ظالموں کو نیست و نابود اور دینِ حق کو غلبہ عطا کر سکتا ہے۔ یہ اُس کی اپنے بندوں کے لیے قدر افزائی ہے کہ اگر وہ دین کے لیے مال صرف کریں تو وہ اِس کو اپنے ذمہ قرض سے تعبیر کرتا ہے اور اگر وہ اُس کے دین کے لیے اپنی جانیں کھپائیں تو وہ اِسے اپنی نصرت قرار دیتا ہے۔

سورۃ النساء: آیات ۱۳۵۔۱۳۸

☆ آیت ۱۳۵

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ’’اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!‘‘ ...... ﴿کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ﴾ ’’ہو جاؤ کھڑے ہونے والے عدل کے ساتھ‘‘ ﴿شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ ’’گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لیے‘‘ ...... ﴿وَلَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ﴾ ’’خواہ وہ تمہارے خلاف ہو‘‘...... ﴿اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ﴾ ’’یا والدین کے اور عزیز و اقارب کے‘‘ ...... ﴿اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا﴾ ’’اگر وہ غنی ہوں یا فقیر‘‘ ......﴿فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا﴾ ’’تو اللہ اُن کا زیادہ خیر خواہ ہے‘‘...... ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ﴾ ’’پس خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو کہ تم عدل نہ کرو‘‘ ...... ﴿وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا﴾ ’’اور اگر تم نے زبان کو موڑا (حق چھپانے کے لیے) یا اعراض کیا (حق سے)‘‘...... ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾﴾ ’’تو بے شک اللہ تعالیٰ باخبر ہے اُس سے جو کچھ تم کر رہے ہو‘‘۔

◆ اِس آیت میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ قیامِ عدل کے علم بردار بن کر کھڑے ہو جائیں۔ معاشرے میں ظلم وستم اور استحصال کو ہرگز برداشت نہ کریں اور اس کے خاتمہ کے لیے تن من دھن لگا دیں۔

◆ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے مراد ہے کہ قیامِ عدل کی جدوجہد کرنے والے اللہ کے حق میں گواہ بنتے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں بڑے جلالی اسلوب واضح کیا گیا کہ قیامِ عدل‘ اللہ تعالیٰ کی وہ خصوصی شان ہے جس پر نہ صرف خود اللہ گواہ ہے بلکہ تمام فرشتے اور صاحبانِ علم بھی گواہ ہیں :

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۸﴾﴾ (آلِ عمران: ۱۸)

’’گواہی دیتا ہے اللہ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور صاحبانِ علم‘ قائم کرنے والا ہے عدل کا‘ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ زبردست ہے بڑی حکمت والا‘‘

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ قیامِ عدل کے لیے جدوجہد کرو خواہ اِس کا نقصان تمہیں ہو یا تمہارے والدین اور قرابت داروں کو۔ انسان کے عدل سے گریز کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ عدل کی زد اپنے یا اپنے عزیزوں کے مفادات پر پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دُنیوی نفع ونقصان سے بالا تر ہو کر عدل کے قیام کو ترجیح دو۔ تمہارا مقصد اپنے مفادات کا تحفظ یا عزیزوں کی خوشنودی کا حصول نہیں بلکہ اللہ کی رضا ہونا چاہیے اور یہ رضا ملے گی قیامِ عدل سے۔

◆ آیت میں مزید فرمایا کہ اپنے آپ کو لوگوں کا زیادہ خیر خواہ مت سمجھو۔ ہر انسان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اُس کا خالق اللہ ہے۔ اُسی کے عطا کردہ ضابطوں میں عدل ہے۔ انسان جب بھی کوئی قانون یا دستور بنائے گا تو وہ ضرور عدل سے ہٹ کر ہوگا‘ کیونکہ انسان

اپنی حیثیت میں خود ایک پارٹی ہے۔ سرمایہ دار کوئی قانون بنائیں گے تو وہ سرمایہ داری کے حق میں ہوگا' مزدور کوئی قانون بنائیں گے تو پلڑا اپنی طرف جھکا دیں گے' مرد کوئی قانون بنائیں گے تو اپنے مطلب کو پورا کریں گے اور خواتین کوئی قوانین بنائیں گی تو اپنے مفادات کا پاس کریں گی۔ عدل پر مبنی قانون کسی ایسے تیسرے فریق کی طرف سے ہوسکتا ہے جس کا تمام انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کا مشترک رشتہ ہو۔ یہ مقام اللہ کے سوا کسی اور ذات کا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمام انسانوں کا خالق' مالک اور رب ہے۔ اُس کی نگاہ میں مرد اور عورت' امیر و غریب' حاکم اور عوام سب برابر ہیں اور وہ سب کی مصلحتوں سے پوری طرح واقف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون ہی مبنی بر عدل ہوسکتا ہے۔

◆ اِس کے بعد آیت میں حکم دیا گیا کہ خواہشات کی اِس طرح پیروی نہ کرو کہ تم عدل کے منافی فیصلہ کر بیٹھو۔ بعض اوقات انسان نیک خواہش کے تحت کسی غریب آدمی کے بھلے کے لیے حق سے اعراض کر لیتا ہے یا کسی تعلق کی وجہ سے کسی صاحبِ ثروت آدمی کو نقصان سے بچانے کے لیے عدل کا راستہ ترک کر دیتا ہے۔ یہاں اِس طرزِ عمل کی شدت کے ساتھ نفی کی جارہی ہے۔ فرمایا اگر تم نیک نیتی کے ساتھ بھی خلافِ عدل کسی کی خیر خواہی کرو گے تو نیکی کا اجر ملنا تو درکنار الٹا اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے۔

◆ آیت کے آخری حصہ میں فرمایا اگر تم نے اپنی زبان کی گڑبڑ سے کوئی لگی لپٹی بات کہہ کر حق کو چھپایا یا کسی بھی طور پر حق سے پہلو تہی کی تو جان لو اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے اور تم اُس کی پکڑ سے بچ نہ سکو گے۔

☆ آیت ۱۳۶

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!'' ...... ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر'' ...... ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ ''اور اُس کتاب پر جو اُس (اللہ) نے نازل فرمائی اپنے رسولؐ پر'' ...... ﴿وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اور اُن کتابوں پر جو اُس (اللہ) نے نازل فرمائیں اِس سے پہلے'' ...... ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ﴾ ...... ''اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا'' ...... ﴿وَمَلٰٓئِكَتِهٖ﴾ ''اور اُس کے فرشتوں کا'' ...... ﴿وَكُتُبِهٖ﴾ ''اور اُس کی کتابوں کا'' ...... ﴿وَرُسُلِهٖ﴾ ''اور اُس کے رسولوں کا'' ...... ﴿وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور آخرت کے دن کا'' ...... ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (۱۳۶)﴾

''تو وہ بھٹک گیا بہت دور کا بھٹکنا۔''

◆ اِس آیت میں بظاہر ایک عجیب نکتہ ہے کہ اہلِ ایمان کو ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔ یہ نکتہ سمجھنا آسان ہے اگر ایمان کے دو درجوں سے آگاہی حاصل ہو۔ ایمان کا ابتدائی درجہ ہے'' اِقْرَارٌ بِاللِّسَان'' یعنی زبان سے اقرار' جسے قانونی ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کا دوسرا درجہ ہے'' تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب'' یعنی یقینِ قلبی' جسے ایمانِ حقیقی کہا جاتا ہے۔ اِس آیت میں قانونی ایمان رکھنے والوں کو حقیقی ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

◆ عدل پر قائم رہنا اور قیامِ عدل کے لیے استقامت کے ساتھ جدو جہد کرنا' پختہ ایمان اور گہرے یقین کے بغیر ممکن نہیں۔ اِسی لیے اس آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی جارہی ہے کہ وہ ایمان میں گہرائی اور پختگی کے حصول کی کوشش کریں۔ دل کی گہرائیوں سے اللہ کو اپنا رب مان لیں' حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول مان لیں' فرشتوں' کتابوں اور آخرت کے دن پر بھی یقین رکھیں۔'' اِقْرَارٌ بِاللِّسَان'' یعنی زبانی اقرار کی بنیاد پر قانونی ایمان تو اُنہیں حاصل ہے لیکن اب'' تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْب'' یعنی یقینِ قلبی کے حصول کی کوشش کر کے ایمانِ حقیقی سے باطن کو منور کریں۔ ایمانِ حقیقی وہ ہوتا ہے جو انسان کا حال بن جاتا ہے اور اُس کے سیرت و کردار میں نظر آتا ہے۔

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا اللہ کا' اُس کے فرشتوں کا' اُس کی کتابوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ ایمانِ حقیقی کے مقابلہ میں کفر کی اصطلاح دراصل نفاق یا منافقت کے لیے ہے۔ گویا اہلِ ایمان کو نفاق سے بچنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ مال' جان اور اولاد کی محبت کا حد سے بڑھ جانا اور غلبۂ دین کی تحریک کے تقاضوں پر غالب آنا'' نفاق'' ہے اور سورۃ البقرۃ آیت ۱۰ میں نفاق کو ایک مرض قرار دیا گیا ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے شوق سے کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ نفاق کی بیماری بھی ایک مسلمان کو لگ جایا کرتی ہے۔ ہمیں بھی اِس بیماری کے لاحق ہونے کا اندیشہ رہنا چاہیے' کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے:

قَالَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ: اَدْرَکْتُ ثَلَاثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ کُلُّهُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلَی نَفْسِهٖ' مَا مِنْهُمْ اَحَدٌ یَّقُوْلُ اِنَّهٗ عَلٰی اِیْمَانِ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ' وَیُذْکَرُ عَنِ الْحَسَنِ: ((مَا خَافَهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا اَمِنَهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ))

''ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہؓ سے ملاقات کی' وہ سب کے سب اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ اُن میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ نہ تھا کہ وہ حضرت میکائیلؑ اور حضرت جبرائیلؑ کے ایمان پر ہے۔ اور حسن بصریؒ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ ''ایک مؤمن ہی نفاق سے خوف زدہ ہوتا ہے اور ایک منافق ہی اِس سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔''

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ اُن لوگوں کو ہے جن پر دینِ اسلام کے اصل تقاضے یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی اطاعت کرنا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور دین کے غلبے کے لیے مال اور جان سے جہاد کرنا واضح ہوچکے ہیں۔ اب اگر وہ اِن تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ طَھِّرقُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکَذِبِ وَ اَعْیُنَنَا مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرِ آمین۔

◆ قرآنِ حکیم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جماعت میں بھی منافقین موجود تھے' لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اور جماعت اِس مرض کے شکار گروہ سے پاک ہو۔ البتہ کامیابی دراصل اِس بات میں ہوگی کہ اِس مرض پر قابو پانے کی شعوری کوشش کی جائے۔ جماعت کا ہر ساتھی اپنا جائزہ لیتا رہے کہ کہیں اِس کا طرزِ عمل یا کوئی کام ایسا تو نہیں جیسا دورِ نبوی ﷺ میں منافقین کا تھا اور قرآنِ حکیم میں جس کی مذمت کی گئی ہے۔ قرآنِ مجید نے منافقین کی روش تفصیل سے بتائی۔ اُن کے حربوں اور حیلوں کو واضح کیا۔ اُن کے تبصرے بیان کیے۔ مختلف معاملات میں جس طریقے سے اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی حیثیت کو مجروح کرنے یا آپ ﷺ کے مشن میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی' اِس سب کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی نفاق کی علامات کا ذکر اپنے کئی ارشادات میں کیا۔ یہ تمام تفصیلات اِس لیے نہیں کہ ہم اِنہیں ''اساطیر الاولین'' سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ جو کچھ اُس دور میں منافقین نے کیا وہ ہر دور میں کچھ لوگ کسی بھی رضا کارانہ (volunteer) ادارے میں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اگر ہم اِن تمام تفصیلات کو سامنے رکھیں گے تو خود احتسابی میں آسانی ہوگی۔ جماعتی زندگی میں بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ انسان محسوس کرے گا کہ مجھ سے بھی وہی حرکت سرزد ہوئی ہے جو فلاں موقع پر عبداللہ بن ابی سے سرزد ہوئی تھی۔ کسی قربانی سے بچنے یا کسی کام سے گریز کے لیے میں نے وہی بہانا کیا ہے جو منافقین کیا کرتے تھے۔ امیر کے کسی حکم پر میں نے ویسا ہی تبصرہ کیا ہے جیسے منافقین کرتے تھے۔ کسی ذمہ دار کے حوالے سے میرے دل میں ویسی ہی کدورت ہے جیسی قرآنِ حکیم میں منافقین کے لیے بیان کی گئی ہے۔

☆ آیت ۱۳۷۔۱۳۸

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے'' ...... ﴿ثُمَّ کَفَرُوْا﴾ ''پھر اُنہوں نے کفر کیا'' ...... ﴿ثُمَّ اٰمَنُوْا﴾ ''پھر وہ ایمان لائے'' ...... ﴿ثُمَّ کَفَرُوْا﴾ ''پھر اُنہوں نے کفر کیا'' ...... ﴿ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا﴾ ''پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے'' ...... ﴿لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ﴾ ''اللہ اُن کو معاف نہ فرمائے گا'' ...... ﴿وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور نہ اُنہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا''۔ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ) خوشخبری سنا دیجیے منافقین کو'' ...... ﴿بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾﴾ ''کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

◆ اِن آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہاں کفر سے مراد منافقت ہے۔ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو خلوص کے ساتھ ایمان لائے تھے لیکن بعدازاں دین کے تقاضوں سے پسپائی اختیار کی اور ایمانِ حقیقی سے محروم ہوگئے۔ یہ دراصل مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ ہے کہ کچھ آگے بڑھا' پھر پیچھے ہٹا' پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی' لیکن پھر کوئی مشکل مرحلہ آگیا تو پسپائی اختیار کرلی۔ گویا اُن کے یقین کا گراف کبھی اوپر جاتا ہے اور کبھی نیچے آتا ہے' پھر اوپر جاتا ہے' پھر نیچے آتا ہے' بقول غالبؔ :

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

اِس کیفیت کی تمثیل سورۃ البقرۃ آیت ۲۰ میں بیان ہوئی ہے :

﴿کُلَّمَا اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ط﴾

''جب (بجلی چمکتی اور) اُن پر روشنی ڈالتی ہے تو اُس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہوجاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔''

یعنی ایمان کی روشنی کی وجہ سے دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں اور قدم اٹھاتے ہیں۔ پھر جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو ہمت جواب دے دیتی ہے اور بیٹھ رہتے ہیں۔ پھر ہمت کرتے ہیں' پھر بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ عمل جاری رہتا ہے' تا آنکہ ایسے لوگ مستقلاً بیٹھ رہتے ہیں اور اُن سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب کر لی جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں سورۃ المنافقون میں فرمایا گیا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ ﴿۳﴾﴾

''اِس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی' سو اب وہ سمجھتے ہی نہیں۔''

غزوۂ اُحد کے موقع پر منافقین میں ایمان و کفر کی کشمکش کو یوں بیان کیا گیا:

﴿ھُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ﴾ (آلِ عمران: ۱۶۷)

''اُس روز وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ قریب تھے۔''

◆ اِن آیات میں اعلانیہ یا قانونی کفر کا ذکر نہیں۔ نفاق کا کل معاملہ قلب سے متعلق ہے۔ قلب میں ایمان ہے تو انسان مؤمن ہے اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو پھر اُس کے منافق ہونے کا اندیشہ ہے۔ البتہ دنیا میں ظاہری طور پر دونوں صورتوں میں انسان کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا' جیسے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی مثال ہے جس کے کفن کے لیے آپ ﷺ نے اپنا کرتا دیا اور ایک روایت کے مطابق اُس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی (بخاری)۔ اِس کے بعد آپ ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع کر دیا گیا۔

◆ ان آیات میں منافقین کے لیے وعید بیان کی گئی کہ اللہ نہ اُن کی مغفرت فرمائے گا اور نہ ہی اُنہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔ اللہ کی طرف سے مغفرت کے ہم سب محتاج ہیں۔ خود نبی اکرم ﷺ دن میں ستر ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے کسی معصیت کے سرزد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا مغفرت طلب کرنا اِس احساس کی وجہ سے تھا کہ مجھ پر اللہ کے دین کے غلبہ کی جو ذمہ داری ہے' اِس میں کوئی کمی اور کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اب غلبۂ دین کے مشن کی ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے۔ اگر ہم نے اِس ذمہ داری کو نبھانے کی اپنی سی کوشش کی تو سرخرو ہوں گے اور اگر پہلوتہی کی تو منافقت کا شکار ہو کر مغفرت اور سیدھی راہ کی ہدایت سے محروم ہو جائیں گے۔ اللہ نے

ایسی روش پر غضب کا اظہار طنزیہ انداز میں کرتے ہوئے فرمایا: اے نبی ﷺ ''خوشخبری سنا دیجیے'' منافقین کو دردناک عذاب کی!

سورۃ المائدۃ: آیت ۸

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!''......﴿کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ﴾ ''کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے''...... ﴿شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ ''عدل کی گواہی دینے والے بن کر''......﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ﴾ ''اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ عدل نہ کرو''...... ﴿اِعْدِلُوْا﴾ ''عدل کرو''......﴿ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ ''کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے''...... ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ﴾ ''اور اللہ کی نافرمانی سے بچو''...... ﴿اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾﴾ ''بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے''۔

◆ اِس آیت میں فرمایا کہ عدل کے علمبردار بن کر کھڑے ہو اللہ کے لیے۔ گویا قیامِ عدل کی جدوجہد اللہ سے محبت کا مظہر اور اُس سے وفاداری کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل کو اِس قدر پسند فرماتا ہے کہ اُس کا ایک صفاتی نام ''العدل'' ہے۔ ''العدل'' مصدر ہے اور یہ لفظ صفت کے طور پر نہیں آتا لیکن اللہ کا یہ بھی ایک صفاتی نام ہے' گویا اللہ سراپا عدل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دو اور صفاتی نام بھی عدل ہی سے متعلق ہیں یعنی ''العادل'' اور ''المقسط''۔ قرآنِ حکیم میں تین بار (المائدۃ:۴۲' الحجرات:۹' الممتحنۃ:۸) یہ الفاظ آئے کہ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ ''بے شک اللہ محبت کرتا ہے عدل کرنے والوں سے''۔ اللہ کی محبت چاہیے تو ذاتی عبادات اور ریاضتوں کے ساتھ ساتھ میدان میں نکل کر باطل کے ساتھ پنجہ آزمائی بھی کرنی ہو گی یعنی ''رات کے راہب'' کے ساتھ ساتھ ''دن کا مجاہد'' بھی بننا ہو گا۔

◆ عدل کی راہ میں رکاوٹیں دو طرح کی ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے کسی عزیز کو فائدہ پہنچانا یا نقصان سے بچانا ہو۔ دوسرا یہ کہ کسی دشمن قوم کو نقصان پہنچانا یا کسی فائدہ سے محروم کرنا ہو۔ سورۃ النساء آیت ۱۳۵ میں پہلی صورت کا ذکر کر کے عدل سے پہلوتہی کی ممانعت کی گئی اور سورۃ المائدۃ کی اِس آیت میں دوسری صورت کا ذکر کیا گیا۔ یہاں لَا یَجْرِمَنَّ کے انتہائی تاکیدی اسلوب میں خبردار کیا گیا کہ کسی قوم کی دشمنی تم سے یہ جرم سرزد نہ کرا دے تم کہ

عدل ہی نہ کرو۔

◆ آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا عدل کرو‘ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ گویا تقویٰ کا تعلق صرف ذاتی نیکی اور عبادات سے نہیں بلکہ سماجی عدل سے بھی ہے۔ متقی انسان جہاں انفرادی معاملات میں اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے‘ وہاں وہ معاشرے میں لوٹ کھسوٹ‘ جبر و استحصال اور مختلف طبقات کے حقوق و فرائض میں عدم توازن کے خلاف بھی سرگرمِ عمل ہوتا ہے۔ منتخب نصاب نمبر ا کے پہلے حصہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ یعنی آیۂ بر کے درس میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ ایک نیک اور متقی انسان وہ ہوتا ہے جو حق و باطل کے معرکہ میں حصہ لیتا ہے اور بدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اِس کا مقابلہ کرتا ہے۔

◆ آیت کے آخر میں حکم دیا گیا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ...... ’’اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘‘۔ تقویٰ دراصل ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے تین بار اپنے قلبِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا)) ’’تقویٰ یہاں ہوتا ہے‘‘۔ تقویٰ کی وجہ سے انسان پر ہر وقت خدا خوفی اور اُخروی جواب دہی کا احساس طاری رہتا ہے‘ لہٰذا وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے۔ جب تک انسان کے دل میں یہ یقین نہ ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ایک ایک عمل کی جوابدہی کرنی ہے‘ اُس کے لیے عدل پر قائم ہونا ممکن نہیں۔ انسان کبھی نیک نیتی سے کسی نادار کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی گواہی یا فیصلہ کو ایک طرف جھکا لیتا ہے۔ کبھی دشمن کا معاملہ ہو تو کسی قانونی نکتہ کا سہارا لے کر اُس کے خلاف گواہی یا فیصلہ دے دیتا ہے۔ ایسے میں انسان کا ضمیر خبردار کر دیتا ہے کہ تم نے عدل نہیں کیا۔ اِس ظلم سے انسان اُسی وقت بچ سکتا ہے جب اللہ کا خوف اور اُس کی ناراضگی سے بچنے کا احساس اُس کے دل میں ہو۔ اِسی لیے آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو‘ اللہ اُس سے باخبر ہے۔ تمہارا چھوٹے سے چھوٹا عمل‘ کسی کے حق میں معمولی سا جھکاؤ (favour)‘ کسی کے خلاف چھوٹی سے چھوٹی زیادتی‘ سب اللہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عدل کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ اس کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔